مولانا محمد علی جوہر کا ایک مکتوب

بنام

سی - ایف - اینڈریوز

مولانا محمد علی جوہر (۱۸۷۸ء - ۱۹۳۱ء) کے شعری اور نثری سرمائے پر نظر رکھنے والے اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں کہ وہ دینِ مبین کے عاشقِ صادق تھے اور نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس سے اُنہیں بے پناہ محبت تھی۔ سیاسی ہنگاموں اور مزاج کی افتاد کے باعث اُنہیں وقت نہ مل سکا کہ اسلام کے عالمگیر پیغام پر کوئی مستقل تصنیف یادگار چھوڑ جاتے، تاہم تصنیف و تحقیق سے انھیں دلچسپی ضرور رہی۔ نظر بندی یا قید کی شکل میں اُنہیں جب بھی "جبری فرصت" میسر آئی، اُنہوں نے علمی کتابوں کے مطالعے سے اپنے ذوق کی تسکین کی۔ چھندواڑہ جیل سے لکھے گئے ایک خط میں مولانا سیّد سلیمان ندوی کی تالیف "ارض القرآن" پر مختصر رائے کے ساتھ اپنے ذوقِ تحقیق کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے[1]۔

> مطالعہ کا شوق عرصہ سے ہے، آکسفورڈ نے تحقیق کی طرف اور بھی بہت کھینچا، مگر جس قوم کے عمل کی حالت اس قدر زبوں ہو، پھر اس کی علمی حالت پر کہاں غور کیا جا سکتا ہے، مجبور ہو کر اُس کوچہ کو دور ہی سے سلام کیا۔

اس دور سے سلام کرنے کی تفصیل بھی دلچسپ ہے، لکھتے ہیں۔

> میرا ارادہ تھا کہ بجائے معمولی بی - اے کی ڈگری لینے کے، بعد میں آکسفورڈ میں تحقیق کی ڈگری بیچلر آف لٹریچر حاصل کروں، اسی لیے میں نے حسبِ قاعدہ یونیورسٹی میں درخواست دی کہ مجھے اس کی امیدواری اور اس کی تیاری کے لیے اجازت دی جاوے اور تحقیق کے لیے نورالدین زنگی اتابک موصل کی سیرت اور کارنامے اور اس کے زمانے کے حالات کو انتخاب کیا، بشپ اسٹبس جو آکسفورڈ کے بڑے نامور محقّق اور مؤرخ تھے، اس جلسہ میں موجود تھے جس میں میری درخواست پیش ہوئی، اُنہوں نے اس موضوع کو بہت پسند کیا اور کہا کہ میرا بھی جی چاہتا ہے کہ اس پر تحقیقات کے سلسلے کی ابتداء کروں، اجازت ملنے کے لیے یہ شرط تھی کہ یا تو آکسفورڈ یا اسی کے برابر کی کسی

یونیورسٹی کا گریجویٹ ہو۔ اس وقت میں صرف الہ آباد کا گریجویٹ تھا، مگر خاص رعایت کی گئی اور مجھے اجازت مل گئی اور کالج کے تمام درسوں سے آزادی حاصل ہو گئی، پروفیسر مارگولیتھ[۲] (لعنتہ اللہ علیہ) میری امداد اور میری تحقیق کی جانچ کے لیے یونیورسٹی کی طرف سے مقرّر کیے گئے۔

جب مولانا "بیچلر آف لٹریچر" کا انتخاب کر رہے تھے، اِن کے برادر بزرگ مولانا شوکت علی کا اصرار تھا کہ وہ انڈین سول سروس کے امتحان میں شریک ہوں۔ مولانا جوہر سول سروس کے امتحان میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اُن ہی کے الفاظ میں

امتحان میں ناکامی کے بعد خیال ہوا کہ تحقیقات کو کون پوچھے گا، بہتر ہے کہ معمولی ڈگری پر قناعت کی جائے، چنانچہ بلامزید تیاری بی۔ اے کے امتحان میں شریک ہو گیا اور پاس ہوتے ہی واپس ہندوستان کو آیا، عاشق کامل نہ تھا، جلد گھبرا گیا لیکن اب بھی لٹک باقی ہے۔"

یہی "تحقیق کی لٹک" تھی کہ جن دنوں "مقدّمہ کراچی" (۱۹۲۱ء) میں دی گئی دو سال کی سزا بیجاپور جیل میں کاٹ رہے تھے، اُنہوں نے نبی اکرم ﷺ کی سیرت لکھنے کا ارادہ کیا۔ ابتدائی تیاری میں سال گزر گیا اور جب کام شروع کیا گیا تو جلد ہی واضح ہو گیا ہے کہ جیل میں وقت تو ہے مگر جیل حکّام کی جانب سے بیرونی دُنیا سے روابط میں رکاوٹیں اور کتابوں کی عدم دستیابی سیرت نگاری کا حق ادا کرنے میں مانع ہیں، چنانچہ سیرت نگاری کا ارادہ ملتوی کرتے ہوئے اُنہوں نے ایک ایسی کتاب لکھنے کی داغ بیل ڈالی جس میں زیادہ کتب حوالہ کی ضرورت نہ پڑے۔ اسلامی تعلیمات کی تشریح و توضیح پر مبنی اِس کتاب کا نام اُنہوں نے Islam: the Kingdom of God (اسلام: خدا کی بادشاہت) تجویز کیا۔ جیل میں وہ اِس کتاب کے چار حصّوں میں سے پہلا حصّہ جو اُن کی ذہنی اساس اور مسلم علم کلام کے بارے میں نقطۂ نظر پر مبنی تھا، مکمل کر سکے۔ دوسرے حصّے کے ۷۰ صفحات لکھے گئے تھے کہ جیل سے رہائی عمل میں آئی۔ اِس کے بعد وہ تقریباً سات سال زندہ رہے مگر دوبارہ اِس کام کو ہاتھ میں نہ لے سکے[۳]۔

بیجاپور جیل کی اِس تصنیفی کوشش میں اُنہوں نے حصولِ کتب کے سلسلے میں جن افراد سے رابطہ قائم کیا، اُن میں پادری سی۔ ایف۔ اینڈریوز (۱۸۷۱ء - ۱۹۴۰ء) بھی شامل تھے۔

سی۔ ایف (چارلس فریر) اینڈریوز کا خاندان کیتھولک اپاسلک چرچ سے منسلک تھا، مگر

اینڈریوز نے پیم بروک کالج کیمبرج کے زمانۂ تعلیم میں اینگلیکن چرچ میں شمولیت اختیار کی۔ ۱۸۹۷ء میں اینڈریوز کو اینگلیکن چرچ میں بطور پادری لیا گیا۔ ۱۹۰۴ء میں وہ "کیمبرج برادرہڈ" سے منسلک ہوکر برصغیر آئے۔ ابتداً سینٹ اسٹیفن کالج دہلی سے بطور استاد منسلک ہوئے۔ یہیں اُنہیں برصغیر کے عوام کے مسائل کو سمجھنے کا موقع ملا۔ مسیحی مشنری عام طور پر برطانوی حکومت کے گُن گاتے تھے اور مقامی مسیحی جوان مشنوں کے ملازم ہوتے تھے، برصغیر کی تحریک آزادی سے الگ تھلگ رہتے تھے، مگر اینڈریوز اُن معدودے چند مشنریوں میں سے تھے جو یہ سمجھتے تھے کہ برصغیر کے عوام کے مسائل کا حل آزادی میں پوشیدہ ہے۔ بعد میں اینڈریوز کو جنوبی افریقہ جانے کا موقع ملا جہاں گاندھی جی سے اُن کی دوستی ہوئی اور یہ عمر بھر قائم رہی۔ جنوبی افریقہ سے واپسی پر اینڈریوز نے کچھ عرصہ رابندر ناتھ ٹیگور کے ادارہ "شانتی نکیتن" میں تدریسی فرائض انجام دیے۔ ۱۹۱۴ء میں اینڈریوز نے پادری کی حیثیت سے کام کرنا ترک کر دیا تھا اور مسیحی عقائد کے بارے میں تردّد میں مبتلا رہا۔ اس عرصے میں وہ برصغیر کے مزدوروں کے مسائل میں دلچسپی لیتا رہا۔ تقریباً ۲۲ سال بعد اینڈریوز نے دوبارہ چرچ میں شمولیت اختیار کی اور ۵ اپریل ۱۹۴۰ء میں کلکتہ میں فوت ہوا۔
اینڈریوز سے برصغیر کے سیاسی و معاشرتی مسائل پر متعدّد کتابیں اور کتابچے یادگار ہیں۔ دہلی کے متعدّد اہلِ علم سے اُن کی دوستی تھی۔ ڈپٹی نذیر احمد اور مولوی ذکاالله سے بہت قریب تھے، اینڈریوز نے آخرالذکر کی سوانحِ حیات بھی لکھی تھی۔

سی - ایف - اینڈریوز کے نام مولانا جوہر کا خط پہلے Young India کی اشاعت ۱۸ مئی ۱۹۲۲ء میں شائع ہوا[۴]۔ بعد ازاں اسی سال the Church missionary Review (لندن) میں نقل ہوا۔ جنوری ۱۹۲۳ء میں ہارٹ فورڈ (ریاست ہائے متحدہ امریکہ) کے مجلّہ The Moslem World نے اپنے نوٹ کے ساتھ نقل کیا۔ یہ نوٹ اس لحاظ سے دلچسپ ہے کہ اس میں مسیحی منادوں کی ضرورت سے زیادہ خوش فہمی جھلکتی ہے۔ ذیل میں "دی مسلم ورلڈ" کے نوٹ کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے[۵]۔
جناب گاندھی کے سب سے بڑے حامیوں میں سے ایک کا یہ بہت ہی اہم خط ہم نقل کر رہے ہیں۔ کئی ماہ پہلے وہ [مکتوب نگار] اپنے بھائی شوکت علی کے ہمراہ گرفتار کیے گئے اور جیل میں ڈال دیے گئے تھے۔ یہ مکتوب [Young Men of India] [کذا] میں شائع ہوا۔ جناب سی - ایف - اینڈریوز جن کے نام یہ مکتوب لکھا گیا ہے، جانے

پہچانے برطانوی مصلح ہیں۔ پسے ہوئے طبقے کے لیے جن کی کوششیں اور تحریریں اِس خطّے کے لوگوں اور مسیح کے ساتھ اُن کے لگاؤ کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ اس حقیقت سے کہ جناب [محمد] علی، جو مسلمان ہیں، جناب اینڈریوز کے نام مکتوب لکھتے ہیں، اور قید میں اس قدر اشتیاق کے ساتھ بائبل کا مطالعہ کر رہے ہیں، معاصر تعلیم یافتہ طبقے کے آئندہ فکری رجحان کا اندازہ ہوتا ہے۔

تعارفی نوٹ کے بعد خط نقل کیا گیا ہے۔

بیجاپور جیل
[۳۱مارچ ۱۹۲۲ء][۲]

مائی ڈیر اینڈریوز

ہمیشہ سے یہ میری خواہش رہی ہے کہ عہد نامہ عتیق اور عہد نامہ جدید کا بالاستعاب مطالعہ کروں۔ میری یہ خواہش کبھی کبھار کے مطالعہ اور اس کے ساتھ ساتھ ابتدائی سترہویں صدی میں انگریزی میں مصدّقہ ترجمہ کرنے والوں کے حیرت انگیز نفیس ادبی ذوق سے بڑھتی رہی۔ یہاں [جیل میں] میرے پاس اس پرانی خواہش کی تسکین کا موقع ہے اور فرصت بھی، جس کی [عام حالت میں] کمی محسوس کی۔ جب جیل کے اپنے کام کاج سے فارغ ہو جاتا ہوں تو وقت کا اچھا خاصا حصّہ قرآن کی تلاوت اور اس کے حفظ میں صرف کرتا ہوں۔ میں شاید اتنا ہی وقت مطالعہ بائبل کو دے رہا ہوں۔ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پانچ کتابیں پورے طور پر پڑھ چکا ہوں۔ چاروں اناجیل، رسولوں کے اعمال اور پالوس کے خطوط پڑھ چکا ہوں، لیکن میں جتنا مزید پڑھتا ہوں، اتنی ہی زیادہ ایک یا دو [ایسی] کتابوں کی ضرورت محسوس کرتا ہوں جو مجھے صحیح تصوّر دے سکیں کہ عہد نامہ عتیق اور عہد نامہ جدید کس طرح ہمارے عہد تک پہنچے ہیں۔ وقائع نگار کون تھے؟ ہم اُن کے قابلِ اعتماد ہونے کے بارے میں اپنے آپ کو کیسے مطمئن کر سکتے ہیں؟ عہد نامہ عتیق کی کتابوں پر کیا گزری جب بخت نصر نے یروشلم کو چھان مارا اور آگ لگا دی اور یہودیوں کو یہاں سے بابل لے گیا۔ مزید برآں صرف چار اناجیل ہی عہد نامہ جدید میں کیوں شامل کی گئیں، جب کہ کچھ اور اناجیل بھی معروف ہیں، خاص طور پر [اِن میں سے] ایک برناباس کے مطابق ہے جو میرے خیال میں، زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ مصر میں پھر دریافت ہوئی ہے۔ [حضرت مسیح] کے بارہ شاگردوں نے کس طرح Traditions آگے منتقل کیں؟ میں لفظ Traditions حدیث کے اس مفہوم میں استعمال کر رہا ہوں جو مسلمانوں کے نزدیک ہے۔ ہم اِن کے تناقضات میں کیسے ہم آہنگی پیدا کر سکتے ہیں؟ اِس لیے میں آپ سے، اگر یہ سہولت ممکن ہو تو، چند ایسی کتابیں

مستعار لینا پسند کروں گا جن سے مجھے بائبل پر ایمان رکھنے والے، جیسے کہ میری نظر میں آپ ہیں، کے نقطۂ نظر سے اِن باتوں کو سمجھنے میں مدد ملے، جو اِس قدر وسیع الذہن ہے کہ اِن اُمور کا عقلی مطالعہ کر سکتا ہے۔

بعد ازاں میں آپ سے ایسی کتابیں مستعار لینا چاہوں گا جو ان لوگوں کے نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہیں جو بائبل پر ایمان نہیں رکھتے، مگر کھلم کھلا یا خلاف عقل تعصّبات کے تحت کام نہیں کر رہے "Higher Criticisim" (اعلیٰ تر تنقید)۔ جیسا کہ اِسے نام دیا گیا ہے۔ کی ایک یا دو مخصوص کتابوں سے میرا مقصد پورا ہو جائے گا۔ میں بیان کر دوں کہ صحفِ سماوی کی تاریخ پر میں نے اپنے رفیقِ قدیم پروفیسر نواب علی ایم - اے (جو پہلے علی گڑھ میں تھے اور اب بڑودہ کالج میں ہیں۔) کی ایک کتاب پڑھی ہے، لیکن یہ اتنی جامع نہیں کہ میرے مقصد کے لیے مفید ہوتی۔ میں اِس امر کو ترجیح دوں گا کہ ایمان رکھنے والوں اور ایمان نہ رکھنے والوں دونوں کے نقطۂ نظر کی نمائندگی ہو۔ مجھے افسوس ہے کہ میں کسی دوسرے معاملے یا اپنے بارے میں نہیں لکھ سکتا، کیونکہ اِس خط کی اجازت بھی "خالصتاً کاروباری" ہونے کی بنیاد پر جیل حکام کی مہربانی اور صواب دید پر ہے۔

محبت بھرے احترام و ادب کے ساتھ

آپ کا مشتاق

محمد علی

یہ تو واضح نہیں کہ جناب سی - ایف - اینڈریوز نے مولانا محمد علی جوہر کو اُن کی ضرورت کی کتابیں فراہم کیں یا نہیں؟ اور اگر کتابیں فراہم کی گئیں تو مولانا جوہر نے ان سے کیا استفادہ کیا؟ مگر اِس خط کے شائع ہونے سے مسیحی حلقوں میں معمولی سی ہلچل ضرور پیدا ہوئی۔ مولانا جوہر کے اٹھائے ہوئے سوالوں پر غور کیا گیا۔ کلکتہ کے مسیحی جریدے "The Epiphang" کے مدیر نے انجیل برنا باس پر مسیحی نقطۂ نظر سے چھ صفحات کا ایک مضمون لکھا جو "دی مسلم ورلڈ" نے اپنے صفحات میں نقل کیا ہے۔[۲]

حواشی

۱۔ محمد سرور (مرتب)، خطوط محمد علی، دہلی: مکتبہ جامعہ (۱۹۴۰ء)، ۵۰-۵۱

۲۔ اسلام اور نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس پر لکھتے ہوئے پروفیسر مارگولیتھ نے جس تعصّب اور بدنیتی کا اظہار کیا ہے، اِس سے دُنیا بھر کے حساس مسلمانوں کو شکایت رہی ہے۔ مولانا جوہر کا روّیہ اِسی کا عکاس ہے۔ مولانا کے ایک سوانح نگار

افضل اقبال نے لکھا ہے کہ اُنھوں نے مارگولیتھ کی تالیف Life of Mahomet کے ذاتی نسخے کے سرورق پر مصنّف یعنی Margoliouth کے نام میں شامل حروف outh پر لکیر کھینچ دی تھی، باقی حروف کا تلفظ "مار گولی" رہ جاتی ہے، جو مولانا جوہر کے اُن جذبات کا اظہار ہے جو وہ کسی گستاخِ رسول ﷺ کے بارے میں رکھتے تھے۔ [دیکھیے: افضل اقبال، Life and Times of Mohammed Ali، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ (۱۹۷۹ء)، ص ۳۰۵]

۳۔ افضل اقبال نے اِس ناقص مسوّدے کو My Life: A Fragment کے نام سے مرتّب کیا جو ۱۹۴۲ء میں پہلی بار شیخ محمد اشرف، تاجر کتب کشمیری بازار لاہور نے شائع کیا، اور اِس کے بعد بارہا چھپا۔ پروفیسر محمد سرور نے اِسے "محمد علی بحیثیت تاریخ اور تاریخ ساز کے" [دہلی: مکتبہ جامعہ] اُردو میں منتقل کیا ہے۔

۴۔ مشیرالحسن نے Young India سے یہ خط Mohamed Ali in Indian Politics: Select Writings, 1920-1923 [کراچی: رائل بک کمپنی (۱۹۸۸ء)] کی تیسری جلد میں شامل کیا ہے۔ دیکھیے: صفحات ۲۷۹-۲۸۰

۵۔ "دی مسلم ورلڈ" جلد ۱۳، شمارہ (جنوری ۱۹۲۳ء)، ص ۷۶

۶۔ "دی مسلم ورلڈ" میں خط کی تاریخ تحریر درج نہیں۔ تاریخ مشیرالحسن کی مرتبہ کتاب سے لی گئی ہے۔ دیکھیے: حاشیہ - ۴، مشیرالحسن نے خط کا متن دیا ہے مگر مکتوب الیہ کو خطاب اور خاتمہ نہیں دیا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سی - ایف - اینڈریوز نے اشاعت کے لیے خط پہلے Young India کو دیا جس نے تاریخ اور متن شائع کیا، بعد ازاں اُنھوں نے اِس امر کے اظہار کے ساتھ کہ خط Young India میں چھپ چکا ہے، "دی مسلم ورلڈ" میں چھپوانا مناسب خیال کیا۔ "دی مسلم ورلڈ" کے مدیر کے سامنے Young India نہیں تھا جس کا اظہار اِس بات سے بھی ہوتا ہے کہ نوٹ میں جریدے کا نام غلط لکھا گیا ہے۔

۷۔ "دی مسلم ورلڈ"، جلد ۱۳، شمارہ ۳ (جولائی ۱۹۲۳ء)، ص ۲۷۷-۲۸۱